مینا بازار مرتبہ ڈاکٹر محمد احمد

پر

ایک نظر

از

جناب محمد سراج الحق صاحب مچھلی شہری،

یادش بخیر! مینا بازار یا تو اس وقت ناتمام سی پڑھی تھی، اور پڑھی کیا تھی بزور دستی جسم وگوش بندی دماغ میں ٹھونسی تھی جب استاد کی مار اور والدین کی ڈانٹ سے جبراً پڑھنی پڑی تھی، یا اب پڑھنی پڑی ہے، جب میرے لائق محترم دوست ڈاکٹر محمد احمد صاحب صدیقی ایم اے لکچرار عربی و فارسی الٰہ آباد یونیورسٹی نے مقدمہ اور شرح سے مزین کرکے چھپوائی، اور اس کا ایک نسخہ یہ کہکر مجھے دیا کہ تجھے اس پر ریویو بھی لکھنا ہے، میں نے معذرت بھی کی کہ ریویو بھی اس سے لکھا یا جاتا ہے جو خود شہرت کا مالک ہو، جس کی تحریر سے کتاب کی وقعت لوگوں کی نظروں میں کچھ زیادہ ہو، مجھے ایک محدود حلقۂ احباب کے باہر اور جانتا کون ہے؟ بقولِ غالبؔ:

بنا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا

ورنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

مگر ڈاکٹر محمد احمد نے چونکہ مجھے دوستی کی عینک سے دیکھا ہے، اور ان کی نظر میں میرے پہلے کے چند مضامین و تصانیف بھی ہیں، اس لئے میری ایک نہ چلی، اور ریویو کی فرمائش طوق ابن کر رہی، یہ گفتگو ماہ مئی سنہ ۵۴ء کی تھی، مگر خانہ کا ہلی خراب کہ آج بھی جب اکتوبر کا نصف گذر چکا، اور اس پر متعدد موافق و مخالف ریویو بھی چھپ چکے

اور بعض چھپ بھی گئے ہیں، اس طرح سے اپنی گلو خلاصی نہ کر سکا،

میں نے اپنا یہ تبصرہ یا دش بخیر کے لفظ سے جو شروع کیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اب جب کہ ڈاکٹر محمد احمد کے بیہودہ مضمون "مینا بازار" کا معتقت "مطبوعہ معارف اشاعت مئی ۱۹۵۳ء کے جواب میں ڈاکٹر نذیر احمد صاحب ایم اے پی ایچ ڈی لکچرار عربی و فارسی لکھنؤ یونیورسٹی کا مضمون اسی عنوان سے معارف کی اشاعت ہائے جولائی اور اگست میں نکل چکا، پھر مینا بازار پر ڈاکٹر نذیر صاحب کی تقریظ و تنقید بھی معارف اشاعت ستمبر میں چھپ چکی تو جو شخص بھی ڈاکٹر محمد احمد کی کتاب پر ریویو لکھے گا، اس کے لئے دو باتیں ناگزیر ہونگی، ایک تو یہ ایسے دونوں ہی مصنفین کے مضامین سے کچھ نہ کچھ تعرض کرنا اور دونوں ہی پر کچھ نہ کچھ کلام کرنا پڑے گا، ایک کے ذکر کے ساتھ اب دوسرے کا ذکر کرنے سے وہ بچ نہیں سکتا، دوسری یہ کہ اس بحث میں جہاں اُس نے کچھ بھی لکھا کہ اُسے بھی کسی ایک طرف سے کچھ نہ کچھ ضرور سننا پڑے گا، اس لئے کہ گو ایک کی طرف رجحان سے اس کی نیت دوسرے پر اعتراض کی نہ ہو، صرف اپنی پسند کا اظہار اور بعض امور پر تعجب کا اظہار ہی ہو تاہم فریق ثانی اُسے اعتراض سمجھ کر جواب دے گا، اور دے گا، اس طرح مجھے بھی ہدف ملامت غالباً بننا پڑے گا، یہاں مجھے اپنے استاد حضرت اصغر گونڈوی علیہ الرحمۃ کا ایک شعر یاد آتا ہے، جو اس بحث کے موقف میں میرے حسب حال ہے کہ

مائلِ شعر و غزل پھر ہے طبیعت اصغرؔ ابھی کچھ اور مقدر میں ہے رسوا ہونا

بہرحال یہ دیکھ کر کہ کتاب زیر بحث پر صرف ایک ریویو منظر عام پر آیا، اور وہ بھی ایسا جو اس کتاب کو اور اس کے مصنف کو سر سے لیکر پیر تک عیوب سے بھرا ہوا بتاتا ہے، خیال ہوا کہ اس کی خوبیاں بھی تو ظاہر کی جائیں، اسی لئے میں جو کچھ لکھتا ہوں اس کتاب کی خوبیاں ہی اجاگر کرنے کے لئے لکھتا ہوں،

عیب دیکھنے کے لئے تو کچھ جذبہ اپنے اوپر طاری کرنا پڑتا ہے، حُسن دیکھنے کے لئے نہیں، حضرت ابراہیم ابن ادہمؒ کے ساتھ ایک آدمی کچھ عرصہ تک رہا، جب چلنے لگا تو اُس نے ابن ادہمؒ سے کہا اس عرصہ میں

آپ نے میری جو بُرائی دیکھی ہو براہِ کرم بتا دیجئے کہ اس کی اصلاح کر لوں، ابن ادہمؒ نے کہا میں نے تو تم کو صرف دوستی کی نگاہوں سے دیکھا ہے، اس لئے میں نے تمھارے عیب نہیں صرف محاسن دیکھے، عیب پوچھنا ہو تو دنیا بھری پڑی ہے کسی سے بھی پوچھ لینا"

بس اسی نقطۂ نظر سے میں بھی صرف اس کتاب کی خوبیاں دیکھنا اور دکھانا چاہتا ہوں کہ عیوب دیکھنے والے تو اور بھی ہیں، یہ اگر جرم ہے، تو میں خوش ہوں کہ دوستی کا جرم ہے، عناد اور بغض کا نہیں،

ع اُنس سے اور آن سے ترکیب ہو انسان کی

البتہ بعض جگہ ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کا ذکر جو آئے گا، تو وہ محض ضمناً ہوگا،

۱۔ کتاب مینا بازار فارسی ادب نثر کی ایک مشہور کتاب ہے، جو آج سے نصف صدی قبل تک مکاتب کی درسیات میں لازم سمجھی جاتی تھی، اس زمانہ کی کتب فارسی درسی گلستان، بوستان، مینا بازار، یوسف زلیخا، سکندر نامہ، انشاء ابو الفضل، وقائع نعمت خان عالی ادبیاتِ عالیہ کا نصاب اور متداول تھیں، ان میں سے بعض کی تو متعدد شرحیں بھی لکھی گئیں،

لیکن گذشتہ سو برس میں اہلِ ہند کو دوبار (۱۸۵۷ء اور ۱۹۴۷ء) قیامتِ صغرا سے دوچار ہونا پڑا، اور شاید قیامتِ کبریٰ کی تصدیق اور اذعان دلوں میں کچھ زیادہ کرنے ہی کے لئے یہ نمونے قدرت نے دکھائے،

آشوبِ گاہِ حشر مجھے کیوں عجب ہو   جب آج دیکھتا ہوں تری رہگذر کو میں   (اصغر)

مشرقی اقوام پر مغربی قوم کا مسلط ہونا سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے کسی طرح کم نہ تھا، مسلمانوں کی حکومت کیا بدلی عقل اور مت بدل گئی، علم و حکمت بدل گئی، حالت بدل گئی، تہذیب بدل گئی، تمدن میں تغیر آگیا، سکون کی جگہ حرکت نے لے لی، حرکت سے ترقی اور ترقی کی ہماہمی سے ہنگامہ رونما ہوا، ایمان کی جگہ مادیت آئی، قدیم اقدارِ حیات میں یکسر انقلاب آگیا، غرض مختلف تغیرات کے سلسلہ میں معیارِ کمال بھی بدلا، اور نصابِ تعلیم بھی پرانی درسیات گم ہونے لگیں، تاہم کتاب زیرِ نظر مینا بازار (گو کم رائج ہے، لیکن پھر بھی، اس کا فارسی ادب میں ابھی

وہی درجہ ہے کہ جس یونیورسٹی مین بھی یہ داخل ہو گی، وہان بی اے یا ایم اے ہی کے نصاب مین ہو گی، اور کیون نہ ہو کہ یہ کتاب نثر دقیق و رنگین کی ایک عمدہ مثال ہے، کیا بلحاظ الفاظ، اور کیا بلحاظ معانی و خیال، اور کیا بلحاظ طرز تحریر و حسنِ نگارش، یہ کتاب عام فہم نہ تھی کہ نیچے کے درجون کے لائق سمجھی جاتی، عبارت مین شعری وزن نہ ہونیکی وجہ سے اگر دیکھئے تو اُسے نثر ہی کہین گے لیکن اگر الفاظ کی رنگینی اور شیرینی پر نظر ڈالئے گا، یا تخیل کی سجاوٹ اور بناوٹ کا لحاظ کیجئے گا، تو آپ کو اس پر نظم کا دھوکا ہونے لگے گا، توالی اضافات، تتابع صفات، مفرد، و مرکب تشبیہات، پیچ در پیچ استعارات، برجستہ کنایات، دلکش مجازات نے کتاب کو گویا ایک آئینہ خانہ یا بنی سنوری دلھن بنا دیا ہے، اس مین شک نہین کہ تلازمون کی قید اور صنائع کی کثرت کے باعث کتاب کچھ بے مقصد سی ہو کر رہ گئی ہے، جا بجا کہین کہین کافی دماغی کشتی اور ذہنی زور آزمائی کے بعد بھی معنی و مطلب کنوئین کی تہ مین تارا بن کر رہ گیا ہے، تاہم چونکہ اس کے زمانۂ تصنیف مین (اور اس کے کافی بعد تک) یہی طرزِ نگارش مروج اور استعداد علمی کا معیار سمجھی جاتی تھی، اور بیشتر کتب ادب کے درس کا مقصد عبرت و نصیحت یا پیام عمل کے بجائے صرف فارسی محاورات پر عبور اور روزمرہ کی صحت، امثال و طرز ادا کی مشق ہوتا تھا، (اور ادب کا یہ فائدہ بھی کچھ کم نہین ہے) اس لئے مصنفین سے لیکر طلبہ تک سب لوگ اغلاق و اغراق ہی کو پسند کرتے، صلاتِ افعال کے تغیر سے معنوی رنگا رنگی، تلازمون اور صنعتون سے لفظی بوقلمونی ہی کو ادراک اور استعمال کرنے اور سیکھنے سکھانے کی طرف پوری طرح توجہ مبذول کرتے تھے،

۲ ۔ لیکن عجیب بات ہے کہ بقول ڈاکٹر محمد احمد :-

"جتنی ہی یہ کتاب اہل علم مین مقبول ہے معروف ہے، اتنی ہی اس کے مصنف کی شخصیت مشتبہ اور مجہول ہے"،

یعنی کوئی اسے میر واضح کی بتاتا ہے، کوئی ملا ظہوری کی، اور یہ اختلاف جہان تک ڈاکٹر محمد احمد اور ڈاکٹر نذیر دونون ہی صاحبان کی تحریرون سے مین سمجھ سکا ہون کچھ اس طرح تقسیم ہو رہا ہے کہ

الف: اہلِ مطابع تو بلاشبہ اسے مہر مبارک اللہ ارادت خان واضح کی بتاتے رہے،

ب: اربابِ شروح و فرہنگ و لغات اسے بلا استثنا برابر ملا ظہوری کی لکھتے رہے،

ج: تذکرہ نگار اور مورخین میں سے اکثر مستند لوگوں نے اسے ظہوری ہی کی بتایا،

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ دو صدیوں میں یہ اختلاف برابر ایک نسل سے دوسری نسل تک اور ایک دور سے دوسرے دور کے مصنفین تک گویا ایک "محترم امانت" کے طور پر منتقل ہوتا چلا آیا کہ اگر ایک مطبع والے نے اگر میر واضح کو پہلے مصنف لکھ دیا، تو پھر کیا مجال تھی دوسرے مطبع والوں کی کہ اس سے ذرا بھی انحراف کر سکتے، اس سلسلہ میں سب سے زیادہ پرلطف اور تعجب خیز بات وہ ہے جسے اہلِ مطبع کے بارہ میں ڈاکٹر محمد احمد نے لکھا ہے :-

"اس کے علاوہ ان (مطابع) کے عملہ کا یہ کارنامہ بھی لائق دید اور قابلِ داد ہے کہ انھوں نے خاتمۃ الطبع میں اپنے حواشی کا مستند ہونا ظاہر کرنے کے لئے تو "بہارِ عجم" وغیرہ کا ذکر کر دیا اور ماخذ بنا لیا، مگر یہ نہ دیکھا کہ بہارِ عجم کے مصنف نے اس کتاب کو کس کی تصنیف بتایا ہے؟ صاحب بہارِ عجم نے تو بہتیرے الفاظ میں لغات و محاورات کی سند میں نورالدین ظہوری کا نام لکھا ہے، اور یہ اہلِ مطابع بہارِ عجم کا حوالہ بھی دیتے ہیں، پھر بھی مصنف بتاتے ہیں میر واضح کو"

(مقدمہ مینا بازار ص ۱۱)

یہ تو اہلِ مطابع کا حال تھا، رہے تذکرہ نگار، تو اگرچہ افواہ عام کی تحقیق کرنا، سنین و شہور کے اختلاف کو دور کرنا اور خارجی و داخلی قرائن و دلائل سے تعیین مصنف و دیگر مشتبہات کا محقق و متعین کرنا، انھی کا منصب تھا، لیکن اگر آپ تذکروں کو اٹھا کر دیکھئے تو ایسا معلوم ہوگا کہ وہ اکثر اس قسم کی بحثیں چھیڑتے ہی نہیں، مینا بازار کے مصنف کی تعیین ہی کا مسئلہ لے لیجئے بعض تذکروں کے مختصر اور مبہم بیانات سے یہ معلوم ہوتا ہے گویا یہ مسئلہ یا تو ان کے زمانہ میں اٹھا ہی نہیں، اور یا ان کے نزدیک قابلِ توجہ نہ تھا، مگر اس سلسلہ میں پروفیسر محمد حسین آزاد نے جو موقف اختیار کیا ہے، وہ تعجب خیز بھی ہے، اور تمسخر انگیز بھی، وہ سخندانِ فارس اور نگارستانِ فارس

دونوں میں زبان کی عہد بعہد تبدیلی و ترقی کا ذکر کرتے جا رہے تھے کہ مینا بازار کا بھی ذکر آگیا، وہاں اس کتاب کے مصنف کی بحث چھیڑنے کا نہ موقع تھا، اور نہ آزاد کو اس کے مصنف کا تذکرہ لکھنا مقصود تھا، کیونکہ میری رائے ناقص میں آزاد کی یہ دونوں کتابیں تذکرہ سے زیادہ تاریخ ادب کے موضوع پر ہیں لیکن پھر بھی ایک چلتا ہوا فقرہ اس کے مصنف کے بارہ میں بھی لکھ گئے، اس کے متعلق ڈاکٹر محمد احمد نے لکھا ہے، اور ٹھیک لکھا ہے، اور بہت خوبی سے لکھا ہے کہ:

"آزاد کی عام عادت ہے کہ سُنی سنائی بات کو اور اکثر اپنے قیاس اور اٹکل کو بڑے ہی آب و تاب سے لکھ مارتے ہیں، کبھی وہ اپنی ایک سنی بات کو "اہل راز" یا اہل تحقیق جیسے مجہول الحال راویوں کی زبان سے کہلواتے ہیں، اور پھر خود ہی اس پر سب سے پہلے ایمان لانے والے بن جاتے ہیں" (ص ۱۱ حاشیہ)

لیکن میری سمجھ میں نہ آسکا کہ جب ڈاکٹر محمد احمد پروفیسر آزاد کی سطحیت کو پہچان گئے تھے تو پھر انھوں نے اس کی تحریر کی طرف اعتنا ہی کیوں کی؟ اس بیچارے نے تذکرۂ مصنفین لکھی کب ہے کہ اس کو تذکرہ نگاروں میں شمار کیا جا سکے؟ پھر ایسی سطحی بات کہ "کوئی کہتا ہے واضح کی ہے، کوئی کہتا ہے ظہوری کی، یا "ناواقف لوگ مشہور کرتے ہیں کہ ظہوری کا ہے، مگر اہل تحقیق سے سُنا گیا ہے کہ ارادت خان کا ہے" تو "تائیداً یا تردیداً" سند میں پیش کرنے کے قابل ہی نہ تھی؟ میری رائے میں تو اس بارہ میں ڈاکٹر نذیر صاحب نے بھی غلطی کی کہ اس کو تذکرہ نگار قرار دیا اور مستند سمجھا، اور اپنی تائید میں اُسے پیش کر رہے ہیں، اور ڈاکٹر محمد احمد نے بھی غلطی کی کہ تردید ہی کے لئے سہی مگر اس کی طرف اعتنا کی، انھوں نے تو کم لکھا آزاد کا حال سننا ہو تو علماء محققین سے سنیئے، "آزاد کی تحریر میں لسانی اور لفظی، استعارے اور کنایے سبھی کچھ ہیں اگر نہیں ہے تو بس تحقیق، اور وہ ہر چیز کو انشا اور لسانی کے بل پر حل کرنا چاہتے ہیں، مکاتیب آزاد مرتبہ طاہر (نبیرۂ آزاد) میں ایک خط میں لکھا ہے کہ آب حیات کا کام جو دس ماہ میں ہونا چاہئے تھا میں نے دس دن میں کیا، آزاد سے بھلا کوئی پوچھے کہ کیوں صاحب "وہ اہل تحقیق" آخر کون بزرگ ہیں؟ اور "سُنا گیا ہے" آخر کون قابل اعتماد طرز بیان ہے؟ اور صاحب بہار عجم مولانا صہبائی

کو تو آپ بھی جانتے ہوں گے، یہ لوگ آخر "ناواقف لوگ" کب سے ہوگئے؟ اور "مشہور کرتے ہیں" کی بدگمانی وجہ گوئی آخر آپ کس قرینے کے سبب سے اُن پر کر رہے ہیں؟ کچھ نہیں نہ کسی بات کا سر نہ پیر، بس لگے مارنا سدھ، اور لکھا بھی ہے تو عجیب پنجابی نما اردو میں کہ ایک جگہ اسی مینا بازار کو مؤنث لکھتے ہیں: "کوئی کہتا ہے واضح کی ہے" اور دوسری جگہ مذکر کہ ظہوری کا ہے، اور "ارادت خان کا ہے"، اور لوگ ہیں کہ اس اردو پر خوش ہیں، مینا بازار پورا ایک مستقل لفظ ہی اور ایک کتاب کا علم بن گیا ہے، اس کے لئے جب ضمیر یا صفت آئے گی تو کتاب کے لحاظ سے آئے گی، بازار کے لحاظ سے نہیں کوئی یوں نہیں کہتا کہ آزاد کا آبحیات جب نکلا شبلی کا شعر العجم اچھا ہے، وغیرہ، خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی، میں کہہ یہ رہا تھا کہ ناشرین، اور تذکرہ نگاروں کا تو یہ حال تھا،

اب رہے ارباب فرہنگ ولغات وشارحین تو میرے خیال میں آج تمام علمی دنیا کے علم وعمل کا مدار اسی پر ہے کہ مستند اہلِ لغت کی تحقیق اور تحریر کو حرفِ آخر مانتے ہیں، انہی کا منصب تحقیق ہے، وہی ماہرین سخن ہوتے ہیں اور وہ سند میں اشعار یا نقرات مختلف مصنفین کے لکھتے رہتے ہیں اگر ہم میں وہ غلطی کریں تو پھر ادب جیسے نقلی علم سے امان واطمینان ہی اٹھ جائے، اور مسرت کا مقام ہے کہ لائق ڈاکٹر محمد احمد نے اس بحث میں اسی ماخذ کو مستند پایا، اور مستند بتایا، اور ان محققین کے اعتماد پر مینا بازار کے مصنف کی تعیین کی بحث اپنے مقدمہ میں چھیڑی تو نہایت اصولی اور معقولی انداز سے مکمل بحث بھی کی، اور عدل ونقل، نقد ونظر کی روشنی میں اس بحث کو ہمیشہ کے لئے صاف اور ختم کر دیا، اور متعین طور پر بتلا دیا کہ اس کا مصنف ظہوری اور صرف ظہوری ہے، ظہوری ہی ہوسکتا ہے، ظہوری کے علاوہ دوسرا نہیں ہوسکتا، اس سلسلہ کی بعض عبارتیں ڈاکٹر محمد احمد کے مقدمہ سے نقل کر دینا غالبًا بے موقع نہ ہوگا،

۱۔ (الف) تین مخطوطات خاموش ہیں، (وہ اُس کے ظہوری کی تصنیف ہونے کی اگر تائید نہیں کرتے، تو تردید بھی نہیں کرتے)، اس بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ دو مصنفین اور تین اہل مطبع نے تو مینا بازار کو میر واضح کی تصنیف لکھا ہے اور دس مصنفین اور چار مخطوطات نے ظہوری کی تصنیف بتایا ہے، پھر میر واضح کے طرفدار جو دو مصنفین "

(آزاد اور ولیم بیل) ہیں، اُن میں سے آزاد صرف "سُنا گیا ہے" کے لفظ سے اپنے قول اور رائے کا اظہار کرتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ یہ افعال مجہول الفاعل یقین و جزم کا فائدہ نہیں دیتے،

البتہ ظہوری کے طرفدار جو مصنفین ہیں، ان میں ملا غیاث مولانا صہبائی، ٹیکچند بہار، ملا شاد جیسے محققین لغات اور استادان زبان جزم و یقین کے ساتھ ظہوری اور صرف ظہوری کا نام لیتے ہیں" (ص)

ب: ملا احمد علی نے چونکہ یوں لکھا ہے کہ

"مینا بازار ظہوری جو بہت مشہور ہے کچھ لوگ اسے واضح کی بتاتے ہیں، اس لئے وہ بھی ظہوری کا طرفدار ہے نہ کہ واضح کا" (ص ۱۱)

میرے نزدیک بالکل ظاہر ہے کہ احمد علی کا مینا بازار کی اضافت ظہوری کی طرف کرنا اس کی بین دلیل ہے کہ خود انکے نزدیک مصنف مینا بازار ظہوری ہے، اور وہ گویند کہہ کر عوام کا خیال ظاہر کر رہے ہیں،

احمد علی صاحب کے اس صاف قول کا جس کے واضح معنی ڈاکٹر محمد احمد بتا بھی چکے ہیں، نہ معلوم کس طرح سے ڈاکٹر نذیر صاحب یہ مطلب نکالتے ہیں کہ

"عام طور پر ظہوری کی طرف منسوب ہے لیکن ارادت خان کی معلوم ہوتی ہے"،

ج: "لطف یہ کہ واضح کی دو تصانیف ہیں، ان میں ایک بھی ادب میں نہیں، اور ان دونوں کی طرز نگارش محض سادہ ہے، اور مینا بازار سے بالکل مختلف ہے (ص ۱۴ ملخصاً)"

میرے نزدیک یہ داخلی شہادت ہے، اور نہایت قوی، کیونکہ میر واضح اگر ایسی رنگین اور بلند عبارت لکھ سکتے تو واقعی سخت حیرت ہے کہ اُن کی ایک تحریر بھی اس طرز کی حامل نہیں،

د: "اگر مینا بازار میر واضح کی تصنیف ہوتی، تو یہ بات ذرا مستبعد معلوم ہوتی ہے کہ بارہویں صدی اور تیرہویں صدی کے مصنفین اور محققین میر واضح کا نام اس کتاب کے سلسلہ میں تو بھول جاتے

جس کا زمانہ اُن سے قریب ہی تھا، اور کتاب کا مصنف ظہوری کو بتاتے جس کا زمانہ ایک سو سال پہلے تھا" (ص ۱۴)

۵: "ذیل کی مثالون سے موازنہ (سہ نثر و مینا بازار) کے کام کے ساتھ ساتھ اس امر کے داخلی ثبوت کا کام بھی ہم لین گے کہ مینا بازار ظہوری ہی کی تصنیف ہے" (ص ۲۲)

یہ سب بھی نہایت قوی ثبوت ہین، کیونکہ داخلی شہادت، اور داخلی ثبوت زیادہ قابلِ اعتماد و ناقابلِ تردید ہوا کرتا ہے،

۶: چند جملے مینا بازار کے لکھ کر لکھتے ہین :-

"غور سے پڑھئے یہ جملے کوئی صاحب طرز مشاق اور شہرۂ آفاق شخص ہی کہہ سکتا ہے جسے گمنام رہکر بھی اپنے قلم کی طنازی اور اپنے طرز کی غمازی پر پورا اطمینان ہے، اور نہایت وثوق سے کہتا ہو کہ آج نہین تو کل میرا نام مشہور ہو کر رہے گا، حسنِ اتفاق کہ خوان خلیل مین خود لکھتا ہے "آفتاب پر تو بیتش پر توِ عاطفت انداختہ خفائی را ظہوری ساختہ"

۲- لائق مقدمہ نگار (ڈاکٹر امجد احمد) نے تیر باران کی مثال مین میرے نزدیک قابلِ تردید طور پر ایک تو اپنے مدعا کو ثابت کیا ہے کہ مینا بازار کا مصنف ظہوری اور صرف ظہوری ہے، دوسری طرف اپنی فارسی زبان کی مہارت اور پاکیزہ ذوق کا بھی اظہار کیا ہے؛

اُن کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ سہ نثر مسلّم طور پر ظہوری کی ہے اس مین اُس نے "تیر بارانِ فاقہ" کا لفظ لکھا ہے یعنی فاقہ کے تیر برسے (اور) مینا بازار مین تیر بارانِ طعنہ ہے (طعنہ کے تیر برسے) اس سے اتنا ظاہر ہوا کہ اس کے مصنف کو بھی مثل ظہوری کے تیر باران کے صحیح استعمال کا سلیقہ ہے، اس لئے اس سے اس رائے کو تقویت ہوتی ہے کہ مینا بازار کا مصنف بھی ظہوری ہی ہو، اور کسی حال مین بھی واضح نہین ہو سکتا، اس قرینہ سے کہ انھون نے ایک شعر مین "تیر بارش ناوک" کا لفظ لکھا ہے جس کے معنی یہ نکلتے ہین کہ اس بارش مین ناوک کی

تیر مین کر برسا، یہ ایک بھونڈی سی بات ہے، اس سے سمجھ مین آتا ہے کہ واضح ظہوری کے برابر باسلیقہ نہین، پھر تیر باران ایک حسین و مروج ترکیب کو چھوڑ کر "تیر بارش" کہنا ایک تو روزمرہ و محاورہ مین تصرف کرنا ہے، جو ناجائز ہے، دوسرے "تیر بارش" کی ترکیب بھی کچھ "تیل مالش" کی طرح لنوسی بن کر رہ گئی ہے،

۲ - لیکن لائق مقدمہ نگار نے ظہوری کے مصنف ہونے کی تائید مین ایک اور قابلِ توجہ قیاس ام نادر نکتہ بیان کیا ہے اور نہ معلوم کیون اُسے بہت چھپا کر ص ۱۳۰ پر بہ سلسلہ شرح الفاظ لکھا ہے، میرے نزدیک تو اُسے بھی مقدمہ ہی مین لکھنا چاہئے تھا،

متن مینا بازار کے خاتمہ پر (ص ۵۴ پر) یہ جملہ بھی ہے :-

"در اتفاق یک دیگر از خامۂ شگرف کار اعجوبہ نگار اندیشہ بحسب دلخواہ دوفق مدعا نقوشِ ادصاف این عشرہ کاملہ بر صحیفۂ قدر و جلال بستند"

اس کی شرح کے ذیل مین لکھتے ہین :-

"نکتہ جلال کا لفظ اگرچہ قدر کا معطوف اور مرادف استعمال ہوا ہے، مگر مصنف نے جس شدت رازداری سے اپنا نام اور بادشاہ وقت کا نام چھپایا ہے، اُس سے تو جی چاہتا ہے کہ کسی بعید احتمال ہی سے کچھ پتا لگایا جائے، چنانچہ اس لفظ "صحیفۂ جلال" سے جلال الدین محمد اکبر کے زنانہ بازار کی تعریف کی فرمایش مین خط کا اشارہ بھی نکالا جا سکتا ہے، "دلخواہ" مین بھی شبہہ ہوتا ہے کہ اپنی نہین اور کسی کے دل کی خواہش پر یہ کتاب لکھی گئی ہے۔"

واقعی یہ بات بہت قرینہ کی، بہت برمحل اور بہت لگتی ہوئی ہے، میرے نزدیک مینا بازار مین جو ظہوری نے اپنا نام نہین دیا، تو شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ ظہوری اس زنانہ بازار کو نحوست اور اس کی تعریف کرنے کو اپنی روش آزادہ روی کے دامن پر ایک داغ سمجھتا رہا ہو اسی لئے اس نے زنانہ بازار کی عورتون کو تو تحریر کر کے بے پردہ کر دیا، مگر اُن کا پردہ اپنے نام پر ڈال لیا کہ پردۂ خفا ہی مین رہا لطف

یہ کہ اس کا تخلص ایک زمانہ میں خفائی تھا بھی، مگر اسے کیا کیجئے کہ پردہ ہلکا تھا، اور دیکھنے والوں میں مولانا صہبائی اور ڈاکٹر محمد احمد جیسے تیز نظر اور دیدہ ور و دن نے آخر دیکھ ہی لیا، اور پہچان ہی گئے،

پھول کے لینے سے رندوں کی غرض ہو بو گل آپ کو دیکھیں گے ہم گو آپ پردہ کیجئے،

(اختر مراج)

یہ اقتباسات اگرچہ زرا طویل ہوگئے، لیکن ان سے ناظرین کو اس امر کا اندازہ بھی اچھی طرح ہوگیا ہوگا کہ ڈاکٹر محمد احمد نے کس نکتہ رسی خوبصورتی، کس دقیقہ سنجی، کس عرق ریزی اور کس سنجیدگی سے تعیین مصنف کی بحث کی ہے، اور کس قدر خوبی و لیاقت سے اس صدیوں کے اختلاف اور کم نظری کو یکسر رفع کر دیا، اور ظہوری کا مصنف ہونا متعین و متیقن کر کے میر واضح کے مصنف ہونے کی افواہ کی مکمل اور مفصل تردید کر دی ہے، اس کے متعلق ڈاکٹر محمد احمد نے معارف کی اشاعت مئی میں ایک سنجیدہ مضمون بھی لکھا ہے، جو قابل دید ہے)

مقدمہ مینا بازار میں تعیین مصنف ہی کی بحث لائق مقدمہ نگار کی اپنی بحث ہے، اور اسی کے باعث وہ مقدمہ قابل قدر بن گیا ہے، اور مانا جاتا رہے گا، اور میرے لئے فخر کی بات یہ ہے کہ میری اس تائید اور تحسین میں ڈاکٹر زبید احمد صاحب سابق پروفیسر یونیورسٹی الہ آباد بھی حرف بہ حرف متفق ہیں، مقدمہ میں کوئی دوسری بحث نہ انھون نے کی، اور نہ اس کی کوئی اہمیت ہے، ظہوری کے حالات کی جزئی تفصیلات سنین و مقامات کو انھون نے دوسرے مصنفین کے بیان سے نقل کر دیا ہے کہ ان امور میں زیادہ تحقیق اور تفحص ایک تھیسس اور مقالۂ فضیلت نگار کے پیش نظر تو رہتی ہے، مگر جس شخص کو اس طرف خاص اعتنا کرنا نہ ہو وہ کسی ماخذ پر اعتماد کر کے اس کا قول نقل کر دیا کرتا ہے، ایسا ہی ڈاکٹر محمد احمد نے بھی بقیہ حالات کے ذکر میں ..... کیا جو پوری ۱۲۲ صفحات کی کتاب میں ایک ورق سے زیادہ نہیں ہے،

ڈاکٹر محمد احمد کے مقدمۂ مینا بازار پر ڈاکٹر نذیر کا تعقب و تعرض دیکھ کر مجھے بے ساختہ مولانا شبلی کی شعر العجم پر حافظ محمود شیرانی کا تعقب و تبصرہ یاد آگیا کہ اس تبصرہ کے بعد بھی شعر العجم، شعر العجم رہی اور اسی طرح

مقبول و متداول و مستند اور مشہور رہی اور حافظ صاحب کے نقد و تبصرہ کو سوا مورخ کے اب شاید کوئی جانتا بھی نہیں، بات یہ ہے کہ کوئی تصنیف محض تاریخ سنین و شہور کے بل بوتے ہی پر زندگی نہیں پایا کرتی، زندگی دینے والی چیز، نیک نیتی اور مصنف کا قلم ہے، اگر یہ چیزیں ہیں تو نقد و تبصرہ کہانی بن جاتا ہے اور کتاب باقی رہتی ہے، لیکن ہاں اگر یہی چیزیں تصنیف سے مفقود ہیں، تو محض تقریظ اور ریویو اشتہار اور پروپگنڈہ کی بیساکھیاں بھی اُسے قائم نہیں رکھ سکتیں،

بہرحال میرے خیال میں ڈاکٹر محمد احمد نے مینا بازار جیسی بلند پایہ ادبی تصنیف کو ضروری مقدمہ اور خود کفیل شرح سے مزین کرکے فارسی زبان کی ایک بڑی خدمت کی ہے، اور کم علم اشخاص اور طلبہ پر ایک گونہ احسان کیا ہے کہ ایسی دشوار کتاب کو نہ صرف حل لغات و ترجمہ سے اسکو آسان بنا دیا، بلکہ جا بجا اس کے محاسن اور صنائع کی توضیح بھی کرتے گئے ہیں اکثر مقامات کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ حل مشکلات بہت باوثوق ہے، میرے نزدیک یہ علمی خدمت خود ڈاکٹر محمد احمد کے لئے ایک قابلِ فخر کارنامہ اور طلبہ کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے یوں تو ہر کتاب کے ساتھ غلطنامہ (یا صحت نامہ) کچھ جزو لاینفک ہی سا ہو گیا ہے، لیکن ڈاکٹر محمد احمد کی افتادِ طبع سے جو واقف ہوگا، اس کے لئے یہ چیز ذرا بھی تعجب خیز نہیں،

آخر میں مقدمہ میں تین چار مواقع کے متعلق ڈاکٹر نذیر صاحب کی تحریر پر جو استعجاب ہوا اس کا اظہار بھی ضروری سمجھتا ہوں،

(الف) ڈاکٹر محمد احمد نے مقدمہ کے ص ۶ پر لکھا ہے کہ ظہوری نے ابراہیم عادل شاہ کے دربار میں بیٹھکر "دل ہی میں نذر گذران دیا" ڈاکٹر نذیر صاحب نے اس کی بزور تردید کی ہے، خیر ان کے پاس اس کے جو دلائل ہوں اور جس قوت کے بھی ہوں اس کو تو وہ خود جانیں یا دوسرے زیادہ قابلیت والے لوگ جان سکتے ہیں ہم کم علموں اور قدیم اسکول والے لوگوں کے علم میں تو واقعی یہی بات تھی کہ ظہوری بھی ابراہیم عادل شاہ پر عاشق تھا، اور اکیلے ہم اور ڈاکٹر محمد احمد ہی اس جرم کے مرتکب نہیں، مولینا الطاف حسین

حالی مرحوم بھی اس کے مجرم رہ چکے ہین، انھون نے اپنی زندۂ جاوید تصنیف یادگار غالب مین لکھا ہے :-

خواجہ حافظ کہتے ہین :-

از عدالت نہ بود، دور گرش پرسد حال
پادشاہے کہ بہ ہمسایہ گدائے دارد

ظہوری کے ہان یہ سیدھا سادہ خیال ابراہیم عادل شاہ کے حق مین جو کہ اس کا ممدوح بھی ہے اور محبوب بھی ایک نئے انداز سے بندھا ہے، وہ کہتا ہے،

مروت کردہ شبہا بر تو سیر بام و در لازم
نمی باشد چراغے خانۂ بے دستگاہان را
(ص ۱۸۴)

ہم جیسے لوگ جو ڈاکٹر تو کیا کمپونڈر بھی نہین، مولانا حالی، مولانا صہبائی وغیرہم کو استاد اور محقق ہی مانتے ہین، اور مانتے رہین گے، ہمارا تو منہ نہین کہ اُن کی تغلیط و تکذیب کرین، یہان خود مولانا حالی ہی کا ایک شعر لکھ دینے کو جی چاہتا ہے،

گرچہ حالی اگلے استادون کے آگے ہیچ ہے، کاش ہوتے ایسے ہی دنیا مین اک دو چار ہیچ!

(ب) ظہوری اور ابراہیم عادل شاہ دونون کے مذہبی خیال کے متعلق مجھے بھی علم و یقین ہے کہ وہ اثنا عشری تھے ڈاکٹر نذیر صاحب کی تاریخی تحریر میری سمجھ مین نہ آسکی، اور اپنی اس کم فہمی کے اظہار مین مجھے کچھ جھجھک بھی محسوس نہین ہوتی،

خاتمۂ تحریر مین بعض اساتذہ و فاضلین حال، ڈاکٹر اور پی ایچ ڈی حضرات کی رائین بھی درج کئے دیتا ہون جو احقر کی رائے متعلق کتاب مینا بازار سے متفق ہین، بعض نے تعیین مصنف کی بحث کی تعریف بھی کر دی، بقیہ نے کتاب کی دیگر خوبیون کا ذکر کیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ کتاب سراپا عیب اگر کسی کے نزدیک ہے تو دوسرون کے نزدیک اس مین محاسن بھی ہین،

۱- ڈاکٹر زبید احمد صاحب ایم اے پی ایچ ڈی "..... (لائق مصنف نے) پورے یقین و صحت

سابق پروفیسر و صدر شعبہ عربی و فارسی الٰہ آباد یونیورسٹی،

کے ساتھ ہمیشہ کے لئے اس کتاب کے مصنّف کی تعیین کے جھگڑے کا فیصلہ کر دیا، اور ظہوری کا مصنّف ہونا اس طرح ثابت کر دیا، کہ اب کسی شبہہ کی گنجایش نہین رہ گئی، ..... "

۲ - ڈاکٹر عبدالستار صدیقی

ایم اے، پی ایچ ڈی، سابق پروفیسر و صدر شعبۂ عربی و فارسی الٰہ آباد یونیورسٹی

"..... آپ نے نہایت کامیابی کے ساتھ تعیین مصنّف کی بحث کی ہے، اور نہایت محکم طور پر یہ ثابت کر دیا کہ یہ کتاب ظہوری کی تصنیف ہے نہ کہ واضح کی،

۳ - ڈاکٹر وحید مرزا صاحب

ایم اے، پی ایچ ڈی، سابق پروفیسر و صدر شعبۂ عربی لکھنؤ یونیورسٹی،

(انتباہ: واضح ہو کہ ڈاکٹر وحید مرزا صاحب نے باوجودیکہ ڈاکٹر نذیر صاحب کے خیالات و دلائل سے واقف بھی تھے، اور اپنے رفیق کار کے خلاف بھی نہین لکھ سکتے تھے، پھر بھی یہ الفاظ لکھے ہین) — " محمد احمد صاحب کے تعیین مصنّف مینا بازار کی کوشش کے سلسلہ مین یہ تو مجھے کہنا ہی پڑے گا کہ اُن کے دلائل نہایت پرزور، یقین آفرین اور خوشنما ہین، اگرچہ اُن کو فیصلہ کن نہ کہا جا سکے، متن کتاب نہایت فاضلانہ طریق اور احتیاط سے مرتب کی گئی ہے، اور تشریحی حواشی نہایت درجہ مفید ہین،

۴ - ایم ایچ صاحب موسوی

صدر شعبۂ فارسی دہلی یونیورسٹی

" میرے نزدیک .... یہ داخلی ثبوت ڈاکٹر محمد احمد صدیقی کے اس قول کے لئے نہایت کافی مؤید ہین، کہ مینا بازار ظہوری کی ہے نہ کہ ارادت خان کی،

۵ - سید ابو الحسن صاحب صدر

.... اس مین شک نہین کہ آپ نے کد و کاوش کر کے بہترین

شعبۂ عربی و فارسی بنارس یونیورسٹی،

کارنامہ پیش کیا ہے، جو وقعی مفید ہے،

۶ - پروفیسر زبیر صاحب صدیقی

صدر شعبۂ عربی کلکتہ یونیورسٹی

"........ اس کی تصحیح و تحشیہ کرکے اپنے طلبہ کا کام آسان کر دیا ہے، اور اس کے مقدمہ مین جن مسائل پر آپنے بحث کی ہے، اُس نے ادبی و تاریخی مباحث پر آپکے تنقیدی مطالعہ کا ثبوت ملتا ہے، .... اور آپ کے ادبی اور تاریخی ذوق کی داد تو ہر شخص کو دینا ہی پڑے گی"

۷ - ڈاکٹر اقبال صاحب صدر شعبۂ فارسی پٹنہ یونیورسٹی،

آپنے نہایت فاضلانہ طریقے سے مینا بازار کو مرتب کیا ہے، جس پر مین آپ کو مبارک باد دیتا ہون، آپنے اُسے مرتب فرما کر فارسی کی بڑی خدمت کی ہے،

۸ - پروفیسر عبد القدوس صاحب صدر شعبۂ عربی پٹنہ یونیورسٹی،

مصنف کے نام کے اختلاف .... اور مینا بازار کی اہمیت اور تاریخی حیثیت متعین کرنے مین مؤلف کی محنت، ذہانت اور درایت قابلِ تحسین ہے،

۹ - شبیر احمد خان صاحب غوری ایم اے، رجسٹرار امتحانات عربی و فارسی یو پی،

"مصنف مینا بازار کے معین کرنے مین مولانا (یعنی ڈاکٹر محمد احمد) نے جو کاوش فرمائی ہے، اس کی داد نہ دینا بیداد ہے، خارجی شہادتون کے ساتھ .... انھون نے جو داخلی شہادتین فراہم کی ہین، ان شہادتون نے مولانا کی رائے کو بہت زیادہ وقیع بنا دیا ہے اور جبتک اسکے مخالف دلائل اتنے ہی وزنی نہون، محمد احمد صاحب ہی کی رائے اس باب مین حرف آخر سمجھی جائے گی،

۱۰- پروفیسر عبد القادر صاحب
سروری عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد

"آپ نے ان (دونون کتابون) کی ترتیب مین جس محنت، سلیقے اور دقتِ نظر سے کام لیا ہے، وہ نہایت قابلِ قدر ہے، مجھے توقع ہے کہ ہندوستان کی ساری یونیورسٹیان مینا بازار کو فارسی کے نصاب مین شامل کرلین گی،

۱۱- پروفیسر امرناتھ جھا صاحب
ممبر پبلک سروس بہار،

مین بہت متاثر ہوا کہ آپ نے سنجیدہ طرز سے اور نہایت مستحکم طریق پر یہ ثابت کردیا کہ مینا بازار ظہوری کی تصنیف ہے نہ کہ واضح کی،

واقعی سچ کہا ہے کسی نے کہ

ع ایسا بھی ہے کوئی کہ سب اچھا کہین جسے
